R. No. 218657

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Regd. No. 922

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

تار کا پتہ ۔ انجمن
ٹیلی فون ۔ ۲۹
قیمت سالانہ ... روپے سالانہ
فی پرچہ ... نئے پیسے

جلد ۲۲ ۔ شمارہ ۲۷ ۔ | ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور | ۱۵ر جولائی ۱۹۶۳ء

محمد انصار اللہ نظر

کچھ ذوق کے متعلق

"نیا دور" ماہ مئی ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی صاحب نے "اردو کا ایک نادر الوداعی سپاسنامہ" شائع کیا ہے۔ اس میں تذکرۂ ذوق سے متعلق بھی چند باتیں آگئی ہیں جو اہم اور دلچسپ ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث کی گنجائش ہے۔ یہاں میں صرف مجملاً چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

"ذوق، ان کے صاحبزادوں اور شاگرد رشید کی موجودگی میں مرزا اسداللہ خاں غالب کا جن کے متعدد یورپین دوست تھے نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔"

اس سپاسنامے پر ذوق کے بعد موصوف نے حسب ذیل صاحبوں کی مہروں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ حقیر پر تقصیر "محمد اسماعیل خاں" ابن خاقانی ہند ملک الشعرا استاد حضرت بادشاہ دہلی۔

۲۔ احقر العباد "ندیم الدولہ خلیفہ الملک حافظ محمد داؤد خاں مستحکم جنگ بہادر" استادزادۂ سلطانی۔

۳۔ العبد المذنب الاحقر اسکالر مدرسہ "محمد حسین آزاد" ولد مولوی محمد باقر دہلوی مدرس سابق مدرسہ واعظ دہلی وتحصیلدار و سررشتہ دار سابق۔

معلوم ہوتا ہے کہ "استادزادۂ سلطانی" سے موصوف کو یہ خیال ہوا کہ حافظ داؤد بھی ذوق کے بیٹے تھے، یہ غلط ہے۔ داؤد کے والد کا نام حافظ محمد خلیل تھا اور ان سے بہادر شاہ نے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ داؤد بہادر شاہ کی تخت نشینی سے غدر تک روزنامہ نویس اور خانسامان شاہی رہے تھے۔ ۱۸۶۲ء میں فوت ہوئے، چاوڑی بازار میں حافظ داؤد کا کمرہ مشہور تھا جو بعد میں بیگم صاحب دوجانہ کی ملکیت تھا۔ (خمخانۂ جاوید: ۳/۱۲۱) داؤد نے اپنی مہر کے نیچے "استادزادۂ سلطانی" لکھا تو صحیح کیا لیکن اس سے ان کا ذوق سے تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقع پر آزاد کا یہ بیان بھی قابل لحاظ ہے کہ خلیفہ محمد اسماعیل بھی اپنے باپ کی طرح اصلاح دیتے تھے۔ ذوق کے کسی دوسرے بیٹے کا ابھی تک کہیں ذکر نہیں مل سکا ہے۔

یہ بات کہ جہاں ذوق، ان کا بیٹا اور ایک شاگرد موجود ہو وہاں غالب کا نہ ہونا تعجب خیز نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ایسے مشاعروں میں شرکت کی ہے جن میں غالب اور ذوق دونوں جمع ہوتے تھے، پھر یہ بات بھی مسلم ہے کہ خاقانی ہند جب مشاعروں میں جاتے تھے تو ان کے شاگرد کافی تعداد میں موجود ہوتے تھے، ممکن ہے کہ خلیفہ اسماعیل بھی شریک ہوتے ہوں (شاعر تھے اس لیے شرکت زیادہ قرین قیاس ہے) اور غالب نے بھی اکثر مشاعروں میں شرکت کی ہے خصوصاً وہ مشاعرے جن میں یہ غزلیں پڑھی گئیں۔

مدا ترے کوچے کو وہ بیمار غم دار الشفا سمجھے۔
مدا ثبات کب ہے بلندی عروستاں کے لیے

آخر الذکر زمین میں غالب اور ذوق دونوں کی غزلیں موجود ہیں اور اول الذکر میں شیفتہ کا مقطع مشہور ہے۔ زیر نظر سپاسنامہ پر غالب کی مہر کے نہ ہونے کی وجہ ذوق، ان کے بیٹے اور شاگرد کی موجودگی نہیں ہو سکتی، اس کے پیچھے واقعی اسباب کی تلاش کرنی پڑے گی۔ متعدد یورپین غالب کے دوست تھے لیکن ممکن ہے کہ جان پامس لینیس سے ان کی دوستی نہ رہی ہو۔ اس سپاسنامہ پر ہمیں مفتی آزردہ اور میاں کالے صاحب کے صاحبزادے کی مہریں بھی ملتی ہیں اور یہ دونوں بہرحال غالب کے کافی قریب تھے۔

(۲)

"شعرا میں سب سے اہم مہر ملک الشعرا خاقانی ہند محمد ابراہیم خاں بہادر ذوق کی ہے۔ موصوف نے اوپر "خاکسار" اور نیچے "استاد سلطانی" اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔"

ذوق کے متعلق یہ بات مسلم ہے کہ وہ مولوی وضع شخص تھے، ان کی مہر کے اوپر "خاکسار" اور ان کے بیٹے کی مہر پر "حقیر پر تقصیر" سے حیرت نہیں ہوتی بلکہ ان کی طبیعتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی بہت زیادہ مفید ہے کہ ذوق کے نام کے ساتھ "خان بہادر" لکھا ہے اور یہ تحریر ۱۸۵۵ء کی ہے۔ آزاد کا بیان اس سلسلہ میں یہ ہے:۔

"۱۸۵۵ء میں بادشاہ بیمار ہو کر اچھے ہوئے ..... اس قصیدہ پر

خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر، ایک ہاتھی مع حوضۂ نقرئی عنایت فرمایا۔" (دیوان ذوق صفحہ ۳۱)

"اواخر ایام میں ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہو گئے۔ قصیدہ غسل صحت کہہ کر نذر گزرانا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر اور ایک ہاتھی مع حوضۂ نقرئی انعام ہوا۔" (ایضاً صفحہ ۵۱)

آزاد کے اس بیان کی کہ ذوق کو خطاب "خان بہادر" عطا ہوا پہلی بار اس سپاسنامہ سے تائید ہوئی لیکن قباحت یہ ہے کہ بادشاہ کے ۱۸۵۳ء میں بیماری سے شفا پانے کا ثبوت ملتا ہے (متفرقات غالب، انگار فروری ۱۹۲۳ء وغیرہ) لیکن ۱۸۵۱ء میں شفایاب ہونے کا ذکر ہماری نگاہ سے نہیں گزرا۔ اس کے علاوہ حیرت یہ بھی ہے کہ دہلی اردو اخبار میں بھی ذوق کے نام کے ساتھ یہ خطاب کہیں نظر نہ آیا حالاں کہ وہ مولوی محمد باقر کی نگرانی میں نکلتا تھا اس میں ذوق کا نام اس طرح آتا ہے۔

"ملک الشعرا خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق استاد خاص حضور اقدس حضرت ظل سبحانی۔"

(دہلی اردو اخبار۔ ۱۰ فروری ۱۸۵۱ء بحوالہ تاریخ صحافت اردو ۱۱۱/۱)

"ملک الشعرا خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم خاں ذوق" (ایضاً)

"جناب خاقانیٔ ہند ملک الشعرا محمد ابراہیم خاں ذوق۔"

(ایضاً ۲۰ مارچ ۱۸۵۳ء بحوالہ دیوان غالب نسخۂ عرشی)

خیال کیا جا سکتا تھا کہ لفظ "خاں" خطاب زیر بحث کی طرف اشارہ ہوگا لیکن ۱۸۵۳ء کے اخبار میں اس کی موجودگی سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ محض احتراماً تھا۔ پھر بھی خطاب خان بہادری کا ثبوت چوں کہ خود ذوق کی مہر سے ملتا ہے اور اس بیان کے ایک باخبر شاگرد کی شہادت بھی موجود ہے اس لیے اس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔

یہ بات بہر حال معلوم ہے کہ یہ خطاب اس دور میں اعزاز کے طور پر ملتا تھا جیسا کہ مفتی صدر الدین خاں آزردہ کے نام کے ساتھ "خان بہادر" لکھا جاتا تھا (تذکرہ اہل دہلی ۱۸۴۳ء وغیرہ، سپاسنامہ زیر بحث وغیرہ) البتہ انگریزی دور حکومت میں یہ خطاب نام سے پہلے لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ آزردہ اور ذوق کے زمانہ میں برعکس رہا ہو اور بعد میں یہ رواج پڑا ہو۔

ذوق کے صاحبزادے کا نام صاحب مقالہ نے "محمد اسماعیل خاں" لکھا ہے، قیاس کہتا ہے کہ جب بھی ایسا ہی ہوگا۔ لفظ "خاں" کا اضافہ خود اپنے نام کے آگے اعزاز کے لیے نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ بھی خطاب ہی ہو لیکن اس کے لیے ثبوت تلاش کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سپاسنامہ سو سال سے زائد پرانا ہو چکا ہے اور بعض جگہ مٹ بھی گیا ہے ان کے پڑھنے میں بھی دقت ہوئی ہوگی، ظاہر ہے کہ ڈاکٹر اطہر عباس صاحب نے اس سے متعلق مقالہ لکھ کر بہت مفید کام کیا لیکن بعض جگہوں پر فرق ملتا ہے مثلاً حافظ داؤد کو "مستکرم جنگ" لکھا ہے، لالہ سریام نے "مستقیم جنگ"

لکھا ہے (خمخانہ ۳ ۲۱/۱۱) ان مقامات پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

(۳)

"غالب نے اسی مضمون کو ایک جگہ اور بھی کہا ہے:۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

ذوق مرحوم فرماتے ہیں:۔

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

یہ دونوں شعر ایک ہی مشاعرے میں پڑھے گئے۔ غالب مرحوم ذوق سے توارد دیکھ کر اور ان کے شعر کو اپنے شعر سے چست پا کر اس شعر کو پڑھنا چاہتے تھے مگر مجبوراً پڑھا۔" (شرح دیوان غالب از آسی صفحہ ۱۵۱) غلط محض۔ دونوں اشعار کا غالب سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلا شعر ذوق کا ہے دوسرا حکیم آغا جان عیش کا۔ اس کے متعلق جو روایت آزاد نے بیان کی سب سے دل چسپ ہے۔ (دیکھیے دیوان ذوق صفحہ ۲۰۹)

(۴)

غالب اپنی ایک غزل میں الحاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی الو کے"

ان پانچ شعروں میں میرا شعر یہ ہے:۔

زبان خنجر قاتل نے کیا کہا تجھ سے
دل شہید بڑا چپ ہے کچھ جواب تو دے

مولانا عرشی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں "یہ شعر ذوق کا ہے (نسخۂ عرشی صفحہ ۳۵۵) ممکن ہے کہ مولانا نے اس کی تحقیق کی ہو لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے دیوان ذوق کے نسخے دیوان یا لطف ۱۸۶۴ء کے نولکشوری نسخہ تک میں یہ شعر نہیں ملتا۔ کسی قدیم تذکرہ یا انتخاب میں بھی ہماری نگاہ سے نہیں گزرا۔ البتہ دیوان ذوق مرتبہ آزاد میں اس ایک کے علاوہ اور بھی کئی اشعار زائد لکھے ہوئے ہیں۔ اس دیوان میں متعدد شعرا کے اشعار موجود ہیں، کسی شعر کے متعلق محض اسی کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ذوق کا ہے۔ اس موقع پر خود غالب کے اس قول پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ:

"جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کر دیں تو کیا بعید ہے کہ دو شاعر متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو۔"
(نسخۂ عرشی صفحہ ۳۵۶)

۱۔ مستقی محمد بنا حکیم کے بیان میں لکھتے ہیں: "حضرت ظل سبحانی ورسنہ بخطاب خاقانی سرفراز شدہ آمد کرد بندگی تھا۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ "خان" بھی خطاب تھا۔ ممکن ہے بادشاہ نے ذوق کو خطاب خان بہادری کے ساتھ ساتھ خلیفہ اسماعیل کو خطاب "خاقانی" عطا کیا ہو۔

ہماری زبان

۱۵ جولائی ۱۹۶۳ء

شری چندر بھان گپتا اور اُردو

۱۱ جولائی کے ٹائمس آف انڈیا میں گپتا جی کے بنارس میں ایک انٹرویو کی رپورٹ شایع ہوئی ہے۔ اس میں اُردو کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے :

"انجمن ترقی اُردو کے اس مطالبے کا حوالہ دیتے ہوئے کہ سنسکرت کی جگہ اردو ریاست کی تیسری زبان قرار دے دی جائے، گپتا جی نے کہا کہ سہ لسانی فارمولے کے متعلق قومی یک جہتی کمیٹی کا فیصلہ (ریاستی) حکومت منظور کر چکی ہے۔ سنسکرت کی جگہ اردو نہیں لے سکتی۔ یہ (سنسکرت) اسٹیٹ کی مانی ہوئی زبانوں میں سے ایک ہے، اردو بھی اسٹیٹ کی چودہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ ہر طالب علم سکولوں اور کالجوں میں جہاں اس کے لیے انتظام ہو ان میں سے کوئی زبان سیکھ سکتا ہے۔"

اس بیان سے غلط فہمی پھیل سکتی ہے۔ اس لیے اس کے سلسلے میں انجمن کی پالیسی کو واضح کرنا ضروری ہے۔ انجمن کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ ہندی کے علاوہ اردو کو بھی اُتر پردیش میں سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے یہاں اس سے بحث نہیں۔ اس وقت جو بات چلی ہے اور جس کا حوالہ گپتا جی نے دیا ہے وہ سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے سلسلے میں ہے۔ اس لیے گپتا جی کا یہ کہنا کہ انجمن کا مطالبہ یہ ہے کہ سنسکرت کی جگہ اردو ریاست کی تیسری زبان قرار دی جائے کسی طرح صحیح نہیں۔ سہ لسانی فارمولے میں کسی علاقائی اور مادری زبان کے علاوہ ایک تو ہندوستان کی کوئی زبان لی جا سکتی ہے، دوسرے انگریزی یا کوئی دوسری یورپی زبان۔ اس لیے گپتا جی کا یہ کہنا کہ اردو والے سنسکرت کی بجائے اُردو کو تیسری زبان قرار دینا چاہتے ہیں گمراہ کن ہے۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ سنسکرت کو لازمی طور پر رکھا جائے۔ سنسکرت کی اہمیت اور عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اگر طلبا سنسکرت لینا چاہتے ہیں تو وہ ضرور لیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ وزیر اعظم اور وزرائے تعلیم کی کمیٹی نے تو یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ دوسری زبان، ہندوستان کی کوئی سی زبان (جس میں سنسکرت شامل ہے) نہ ہو بلکہ کوئی جدید ہندوستانی زبان ہو (جس میں سنسکرت نہیں آتی) اب اگر اُتر پردیش کے ارباب حل و عقد سنسکرت کو بھی شامل کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کریں، اگر سنسکرت کو اگر لازمی قرار دیا گیا جیسا کہ بستی کے ضلع پریشد کے ایک فیصلے سے ظاہر ہوتا ہے اور جیسا کہ اُتر پردیش کے کچھ ذمے دار سرکاری حلقوں کا خیال ہے تو یہ سہ لسانی فارمولے کے ساتھ ہی زیادتی نہ ہوگی بلکہ وزرائے تعلیم کے فیصلے کی بھی پامالی ہوگی۔ اُردو دوست ہرگز سنسکرت کے خلاف نہیں ہیں۔ وہ اس بات پر ضرور فکرمند ہیں کہ سنسکرت کی حمایت میں اس طرح اُسے لازمی کرنے کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور انتظامی مجبوریوں کا سوال اٹھا کر ایسی صورت حال پیدا کی جا رہی ہے کہ جو طالب علم دوسری ہندوستانی زبان کے طور پر اردو لینا چاہے گا اس سے کہا جائے گا کہ اُردو کا انتظام نہیں ہے، تم سنسکرت لے لو اس کا انتظام ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی، صرف اُردو کے ساتھ ہی نہیں، خود سہ لسانی فارمولے کے ساتھ اور مرکز کی واضح ہدایات کے ساتھ۔ اُتر پردیش کی حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ جدید ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کر سکے کرے اور چوں کہ اردو اس ریاست کی اہم زبان ہے اور اردو دوست چاہتے ہیں کہ اس کی تعلیم کا انتظام ہو، اس لیے وہ اُردو کے لیے جہاں مطالبہ ہو انتظام ضرور ہی کرے۔ اس کے علاوہ بنگالی، تامل، سنسکرت، جس زبان کو سیکھنے کے لوگ خواہشمند ہیں، اس کی تعلیم کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔

سیر بین

ایک صاحب کی رائے ہے کہ "سیر بین" کے کالم کی ضرورت نہیں۔ کچھ لوگوں نے اس کالم کو پسند کیا ہے اور اس کے اجزا دوسرے اخباروں میں نقل بھی ہوئے ہیں۔ کچھ کے نزدیک اس کا لہجہ بہت معتدل ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس کی طنز میں تلوار کی کاٹ آ جائے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ کالم ایک پہلو کی کمی کو پورا کر رہا ہے اور اسے جاری رہنا چاہیے۔ رہی لہجے کی بات تو جب ہا ضمہ درست نہ ہو تو لوگ گرم مسالے کے زیادہ عادی ہو جاتے ہیں۔ ہم تو نشتر سے رگ جاں کو چھیڑنے کے زیادہ قائل ہیں۔ "ہماری زبان" کے صفحات کو معرکہ کارزار نہیں بنانا چاہتے۔ ہم خوش طبعی اور مزاح کے علم بردار ہیں، طنز کے مرد میدان نہیں۔

ہندوستان میں وضع داری ویسے ہی کم ہوتی جاتی ہے۔ اب موسم نے بھی اپنی وضع بدل دی ہے۔ اب کے مئی اور جون میں مسلسل گرمی پڑی ہی نہیں۔ جہاں پارہ ذرا اونچا ہوا، آندھی آئی اور بوندیاں پڑ گئیں۔ کچھ دن کے لیے میدان میں پہاڑ کا مزہ آ گیا۔ مگر اس قبل از وقت باران رحمت کی وجہ سے برسات کے موسم میں وہ گرمی، اُمس اور حبس ہے کہ خدا کی پناہ۔ موسمیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ مانسون نارمل ہے۔ ہوگی ہم تو اسے چھلاوہ ہی سمجھتے ہیں۔ بادل ضرور آتے ہیں مگر بارش ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی کنجوس خیرات دے رہا ہو۔ اسکول اور کالج کھل گئے ہیں مگر گرمی کا یہی عالم رہا تو پڑھائی کا کیا ہوگا۔ ایک دن سنا کہ فضا میں مناسب دباؤ پیدا ہو گیا ہے، اب جلد بارش ہوگی۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ وہ "دباؤ" تحلیل ہو گیا۔ چلیے چھٹی ہوئی۔ سنا کرتے تھے کہ کچھ لوگوں کی "نبض" باقاعدہ بے قاعدہ ہوتی ہے۔ شاید یہی صفت مانسون کی ہو گئی ہے۔ اس کی بے قاعدگی میں بھی ایک باقاعدگی آتی جا رہی ہے، ممکن ہے کچھ عرصے بعد ہماری قومی زندگی پر بھی یہی پھبتی صادق آ سکے۔

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مساعی

انجمن ترقی اردو لکھنؤ عرصہ سے اپنے حلقۂ عمل میں کام کر رہی ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں اس نے گورنمنٹ کے ریکارڈ میں اردو کے مادری زبان کی حیثیت سے اندراج کی دیکھ بھال کی۔ اس کے بعد مقامی پرائمری اسکولوں میں اردو کے پڑھائے جانے کا جائزہ لیا اور اس کے نہ پڑھائے جانے کا ثبوت فراہم کیا۔ کرپلانی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے وقت اس ثبوت کو پیش کیا۔ پھر اس سلسلہ میں جو گورنمنٹ کے ہندرہ نکاتی [illegible] جاری ہوئے تھے ان پر حکام متعلقہ کو توجہ دلایا لیکن [illegible] سے عمل کرانے کی تدابیر اختیار کیں۔ اردو درسی کتابوں کے دیر میں چھپنے پر احتجاج کیا۔ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ نگر مہاپالیکا کے پرائمری اسکولوں میں داخلے کی مہم چلائی۔ کرپلانی کمیٹی کی سفارشات کی اخبارات میں اشاعت پر ان کا تجزیہ کیا اور ان پر انجمن کے تاثرات سے ریاستی اور مرکزی انجمن کو مطلع کیا۔ سہ لسانی فارمولے کے متعلق جو اعلانات مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ذمہ دار حضرات کے نکلتے رہے ان کی باوثوق وضاحت حاصل کرنے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل کی تاکہ وہ وزیر تعلیم اور وزیر اعلیٰ سے مل کر مناسب اقدام کرے۔ اس سلسلہ میں ہر دو اصحاب کو کمیٹی سے ملنے کے لیے تاریخ و وقت مقرر کرنے کے لیے لکھا گیا۔

گورنمنٹ نے اپنے خط ایجوکیشن (اے) ڈپارٹمنٹ نمبر A/3140/XV-3157/63 مورخہ ۲۰ جون میں سہ لسانی فارمولا میں اردو کے موقف کی مندرجہ ذیل تشریح کی ہے:

(الف) علاقائی زبان (ہندی)

(ب) دستور ہند کے آٹھویں شیڈول میں مندرج ہندوستانی زبانوں میں سے ایک (الف) مندرجہ بالا کے علاوہ۔

(ج) انگریزی یا یورپ کی کوئی دوسری جدید زبان

جو طلبا اس فارمولا کے تحت اردو پڑھنا چاہیں وہ (ب) مندرجہ بالا میں اس کو ان درسگاہوں میں لے سکتے ہیں جہاں اس کے پڑھانے کی سہولتیں ہیں۔

گورنمنٹ کے جواب اور اس فضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو اردو کے لیے تیزی سے تیار ہو رہی ہے یہ انتہائی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انجمن ترقی اردو کی کل شاخیں اردو کے پڑھنے والوں کے تمام وجوہات اپنے حلقے میں [illegible] تیار ہو سکے [illegible] واضح طور پر سامنے آ جائیں اور اس حق کے حصول کے لیے [illegible] جدوجہد کی ضرورت ہے۔ خدا کرے انجمن کی تمام مقامی شاخیں اور ریاستی انجمن جلد سے جلد اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

سید [illegible] حسین آنریری جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو لکھنؤ

سہ لسانی فارمولا اور دینی تعلیمی کونسل

لکھنؤ ۲ جولائی۔ دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا جلسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے "الاصلاح" ہال میں زیر صدارت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صدر دینی تعلیمی کونسل اتوار کے دن اس امر کے پیش نظر کہ اس جلسہ کا اصل مسئلہ سہ لسانی فارمولے کے بارے میں حکومت یوپی کی موجودہ پالیسی اور طریقہ کار پر غور کرنا اور اس کے پیش نظر کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

مجلس عاملہ کے اراکین کے علاوہ مختلف اضلاع سے ۳۲ حضرات بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔ جلسہ ۹ بجے صبح شروع ہوا۔ درمیان میں ۲ گھنٹے کے لیے ملتوی ہو کر ۹ بجے شام تک ہوتا رہا۔

مجلس عاملہ نے پورے غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد جو تجویز بالاتفاق منظور کی اس کا متن حسب ذیل ہے۔

تجویز: دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے قیام کا خاص مقصد و نصب العین مسلمانوں میں دینی تعلیم کی عام ترویج و اشاعت ہے اور چونکہ ہندوستانی زبانوں میں اردو ہی وہ زبان ہے جو ہندوستان خاص کر اتر پردیش میں مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیمات سے واقفیت کا سب سے سہل اور موثر ذریعہ ہے اس لیے دینی تعلیمی کونسل نے اپنے ہر قسم کے مکاتب میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا ہے اور اس لحاظ سے ریاست میں اردو تعلیم کے راستہ میں اگر مشکلات پیش آتی ہیں تو دینی تعلیمی مہم کے راستہ میں بھی اسی تناسب سے مشکلات کا بڑھنا یقینی ہے اور اگر اردو کے لیے سہولتیں پیدا ہوتی ہیں تو دینی تعلیم کا راستہ بھی اسی حساب سے کچھ آسان ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے مجلس عاملہ نے جدید سہ لسانی فارمولا کے بارے میں ریاستی حکومت کی پالیسی پر غور کیا۔

گذشتہ چند سال میں ریاستی حکومت اور اس کے حکام کا اردو کے بارے میں جو رویہ رہا ہے اور وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نیز ریاستی وزرائے تعلیم کانفرنس کے صاف مشوروں اور فیصلوں کے خلاف سہ لسانی فارمولے میں اب جس طرح زبردستی سنسکرت کو داخل کیا جا رہا ہے ان سب چیزوں کے پیش نظر مجلس عاملہ محسوس کرتی ہے کہ سہ لسانی فارمولے نے اردو کی تعلیم کے لیے جو جگہ پیدا کی تھی ریاستی حکومت اپنی پرانی روش کے مطابق پھر اس کے راستہ میں مشکلات پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس بنا پر مجلس عاملہ اردو کی تعلیم کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حکومت سے مندرجہ ذیل امور کا مطالبہ کرتی ہے۔

۱۔ اس بات کا اطمینان بخش انتظام کیا جائے کہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ فارمولا کی تیسری زبان کے طور پر جہاں بھی کوئی بچہ اردو لینا چاہے بغیر کسی دقت کے لے سکے اور یہ معاملہ بجائے ضلع پریشد یا میونسپل بورڈ کے سپرد کیا جائے بلکہ گورنمنٹ خود اس کی ذمہ داری لے اور ڈسٹرکٹ انسپکٹر اسکولز کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا جائے کہ کسی بھی جونیر ہائی اسکول یا ہائر سکنڈری اسکول میں اردو کا مطالبہ رد نہ ہونے پائے اور اگر کوئی ضلع پریشد یا میونسپل بورڈ اردو پڑھانے کے لیے مدرس کا انتظام کرنے سے پہلو تہی کرے تو انسپکٹر آف اسکولز گورنمنٹ سے مدرس دے کر اس کا انتظام کرائے۔

۲۔ ظاہر ہے کہ اردو کی تعلیم اردو پڑھانے والے معلمین کے بغیر نہیں ہو سکتی اور ادھر چند سالوں سے ان کی تیاری کا سلسلہ بالکل بند ہے جس کی وجہ

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

وحیدہ مرزا

بنتِ حوّا کی پرواز

ابنِ آدم خلا میں اکیلا نہیں
بنتِ حوّا بھی اب اس کے ہم دوش ہے
جھوم اٹھی زمیں مسکراتی ہوئی
بارہا اپنے دل میں یہی سوچ کے
خلوتِ ماہ و مریخ میں آج تو
اس کی لختِ جگر اس کی نورِ نظر
اک محبت کی پہلی نظر بن گئی

پیار سے ارضِ گیتی کا منہ چومنے
جھک گیا آسماں بھی تو تعظیم سے
بس افق تا افق شرق سے غرب تک
جوں ہی دھرتی کے لالوں پہ چھینٹے پڑے
جگمگانے حسیں چاند کی راہ پر
دلکش و دلربا منزلوں کی طرف
اہلِ مریخ کے دیس کی سمت میں
کہکشاں کے حسیں راستوں کی طرف
عظمتِ بزمِ گیتی کا پرچم لیے

ابنِ آدم بڑھا گیت گاتا ہوا
بنتِ حوّا چلی گنگناتی ہوئی
بزمِ انجم میں اک تہلکہ مچ گیا
قدسیوں میں بڑی کھلبلی ہو گئی
کہ خلا میں محبت کی پہلی نظر
قدسیوں کو پیامِ دگر ہو گئی

عرش کے مہ جبینوں کا رنگ اڑ گیا
حسنِ ناہید کی دلکشی گھٹ گئی
سازِ زہرا ذرا دیر کو رک گیا
اور ثریا پہ طاری غشی ہو گئی
عزم کو جب بھی جوشِ جنوں مل گیا
عقل کو جب بھی دیوانگی آ گئی
تب جنوں انتہائے خرد ہو گیا
اور خرد انتہائے جنوں ہو گئی

رئیس مینائی

یاد

کوئی اجنبی
راہ بھٹکا ہوا
دل کی دہلیز سے
آ کے ٹکرا گیا

شہاب شمسی

خلا

انجمستانِ خیال و دل پہ ہے سایہ فگن
شاہراہِ آرزو کی خامشی کا کارواں
رقص گاہِ کہکشاں کی تیرگی بے کراں
دل ہے یا شہرِ خموشاں یا کوئی اجڑا دیار
ہر طرف پھیلا ہوا ہے اک سکوتِ مستقل
ہے کوئی آہٹ نہ آوازِ شکستِ سازِ دل
ہے سرِ بزمِ تصور اک خلش یوں موجزن
جیسے ہوں بے جنبشِ فضائے دلِ گرداب میں
اضطرابِ شعلہ افشاں خلوتِ مہتاب میں
آج بارِ زندگی ہے زندگی بے قرار
یادِ ماضی فکرِ مستقبل بھی ہے دل سے جدا
ہے نظر کے سامنے بس اک خلا گہرا خلا

غزلیں

ظفر غوری

کتنے عجیب ہیں یہ دیوانے ہر دکھ ہر غم جھیل گئے
لیکن تیرے نام کی خاطر جان پہ اپنی کھیل گئے
تم نے تو گلشن والو ان تنکوں کو بھی پھونک دیا
وہ تنکے جو طوفانوں کو باغ سے باہر ریل گئے
آگ میں کود سے دار پہ جھولے زخم بھی کھائے سر بھی دیا
ایک تیرے پانے کی خاطر کیا کیا پاپڑ بیل گئے

اختر رضوی بریلوی

ہر نفس ہر گام پر اک کیفِ نا معلوم ہے
دل کے بہلانے میں اک ایسی مے بے نام ہے
حسرت کا شانہ سوزِ ملال کا نام ہے
موت سمجھتے ہیں جسے وہ زندگی کا نام ہے
ہر قدم سرمستیاں ہیں ہر قدم مدہوشیاں
محفلِ ساقی میں عقل و ہوش کا کیا کام ہے
ذکرِ رخسارِ گل و بلبل ہو موضوعِ سخن
حضرت اختر تغزل کیا اسی کا نام ہے

رحمان ساجد

کہتا ہے کون دل کی تمنا نکل گئی
آپ آ گئے قریب کہ دنیا بدل گئی
گلشن تمام رشکِ ارم ہے اگر تو کیا
اے دوست جب کہ شاخِ نشیمن ہی جل گئی
پیمانہ کے خطا ہے وہ ہو گئے خفا
اور سچی بات میری زباں سے نکل گئی
ساقی کی کج نگاہ پہ ٹوٹے سبو بھی وہ
اچھا ہوا کہ بزم میں وہ بات چل گئی
جب سے کہ رنگ و نسل میں انساں بٹ گیا
یہ کائنات درد کے سانچے میں ڈھل گئی

شکیب ایاز

دل جلوں نے بھی بڑا کام کیا ہے یارو
رات میں صبح کا پیغام دیا ہے یارو
زندگی کے جو اک موڑ پہ بیٹھے تھے مرا
وہی انسان مرا راہ نما ہے یارو
زہر پینے بھی نہیں مرنے بھی نہیں جیتے بھی ہیں
آج دیوانوں کا کیا حال ہوا ہے یارو
شاعری دل سے ہے کس کی جان لیے
اپنا موضوعِ سخن وقت رہا ہے یارو

مُراسلات

اجمیر کا پہلا اردو اخبار

'ہماری زبان' بابت یکم جولائی ۱۹۶۳ء میں قاضی معراج الدین صاحب کا مراسلہ نظر سے گذرا۔ موصوف نے "منظر العجائب" نام کے کسی اخبار کا ذکر فرمایا ہے مگر گارساں دتاسی کے ۲۹ر نومبر ۱۸۶۳ء کے خطبے کے مطابق ۱۸۶۳ء میں بھرت پور سے راجہ صاحب بھرت پور کی سرپرستی میں "منظر السرور" شایع ہوتا تھا 'منظر العجائب' نہیں۔ بہر نوع 'منظر السرور' کے سن اشاعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ 'منظر السرور' راجستھان کا پہلا اردو اخبار تھا۔

خیر خواہ خلق اور نیّر راجستھان بعد کے اخبارات ہیں مگر ان کی یہی اہمیت کیا کم ہے کہ یہ راجستھان کے ایک اہم تہذیبی و ادبی مرکز اجمیر و جے پور سے علی الترتیب شایع ہوتے تھے۔ اور اجمیر کو تو آج بھی یہ فخر حاصل ہے کہ اس دیار پاک سے راجستھان کا واحد اردو اخبار ہفت روزہ 'طوفان' شایع ہوتا ہے۔ قاضی صاحب قبلہ نے 'خیر خواہ خلق' کے زمانۂ اشاعت (۱۸۶۳ء) میں سارے ہندوستان میں صرف سات آٹھ اخبارات کی اشاعت بتلائی ہے۔ لیکن موصوف کے اس بیان کی تردید خطبات دتاسی ہی سے ہو جاتی ہے۔ دتاسی نے ۱۸۶۳ء تک صرف ممالک شمالی و مغربی ہندوستان میں ۳۲ مطبعے اور ۳۰ اخبارات و رسائل کی اشاعت کا ذکر کیا ہے۔ 'خیر خواہ خلق' کے دور اجرا تک یقیناً اخبارات و رسائل کی تعداد اشاعت میں بتدریج اضافہ ہی ہوا ہوگا، کمی نہیں۔ ۱۸۶۳ء میں بھرت پور میں بھی ایک مطبع قائم تھا مگر دتاسی اس مطبع کے نام کے سلسلے میں بالکل خاموش ہے اور بس۔

(احمد رئیس - اجمیر)

(۲)

میرے مضمون 'اجمیر کا پہلا اردو اخبار' بابت ۱۵ر جون ۱۹۶۳ء مطبوعہ 'ہماری زبان' کے متعلق جناب قاضی صاحب دھولپور کا مراسلہ یکم جولائی ۱۹۶۳ء کے 'ہماری زبان' میں نظر نواز ہوا۔ جناب قاضی صاحب دھولپور کو "خیر خواہ خلق، اجمیر" کو راجستھان کا پہلا اردو اخبار قرار دیے جانے پر اعتراض ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں جن وجوہات کی بنا پر اسے راجستھان کا پہلا اردو اخبار کہا تھا ان کا اظہار بھی اپنے مضمون میں کر دیا تھا۔ در اصل یہ بات ضمنی تھی ورنہ میرا اصل مقصد میرے مضمون کے عنوان "اجمیر کا پہلا اردو اخبار" سے ظاہر ہے۔

قاضی صاحب نے اپنے مراسلہ کے تیسرے پیراگراف میں علاقہ اجمیر کی صراحت فرمائی ہے اور در پردہ یہ کہنا چاہا ہے کہ اس وقت اجمیر راجستھان میں نہ تھا تو "در جواب آں غزل" کے طور پر عرض کروں گا کہ اس وقت بھرت پور بھی صوبۂ آگرہ میں شامل تھا۔

بہر حال مجھے پھر یہی کہنا ہے کہ "خیر خواہ خلق" اجمیر کا پہلا اردو اخبار ہے اور راجستھان کا بھی پہلا خالص اردو اخبار ہے جو صرف اردو ہی میں شایع ہوتا تھا۔

(سید فضل المتین)

(۳)

اس عنوان سے ۱۵ر جون ۱۹۶۳ء کے اخبار 'ہماری زبان' میں فضل المتین صاحب کا ایک مضمون شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے اخبار "خیر خواہ خلق" کو اجمیر کا پہلا اردو اخبار ثابت کیا ہے مگر ساتھ ہی جے پور کو بھی لپیٹ کر اُسے موجودہ راجستھان کا اولین اخبار بتایا ہے۔ حالاں کہ اس توضیح و تشریح کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ اجمیر میرواڑہ علیحدہ صوبہ تھا اور ریاست جے پور جُدا گانہ خود مختار حکومت۔ "تذکرۂ شعرائے جے پور" کا حوالہ بھی بے محل تھا اس لیے کہ تذکرہ شایع ہونے کے بعد اجمیر راجستھان میں مدغم ہوا ہے۔ مصنف "تذکرۂ شعرائے جے پور" نے بالکل صاف اور صحیح لکھا ہے کہ

"جے پور سے پہلا ہفت روزہ اخبار ۱۸۸۹ء میں نیّر راجستھان نکلا۔" (ص۱۴۲ سطر ۴)

اس طرح راجستھان کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر معراج دھولپوری صاحب نے جو فضل صاحب کے قول کی تردید فرمائی ہے اس میں تو کمال ہی کر دیا۔ فرماتے ہیں۔

"تذکرۂ شعرائے راجستھان میں "نیّر راجستھان" کو راجستھان کا اولین اخبار بتایا جانا تسامح سے خالی نہیں کیوں کہ اس صوبہ کا اولین اخبار ۱۸۶۳ء یا ۱۸۶۴ء میں بھرت پور سے شایع ہوا تھا۔"

معاملہ صرف جے پور کا تھا جس کو راجستھان کا سوال بنا دیا گیا ہے اور قاضی صاحب نے "تذکرۂ شعرائے جے پور" کو "تذکرۂ شعرائے راجستھان" قرار دینے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہ کی۔ اور اسی طرح بھرت پور کو بھی شاید جے پور کا ہی مقبوضہ حصہ سمجھ لیا۔ در آں حالیکہ جے پور جُدا خود مختار ریاست تھی اور بھرت پور علیحدہ۔

قاضی صاحب دیرینہ مضمون نگار اور کافی مُسن ہستی ہیں۔ ان سے صحتمند تخلیق کی توقع بے جا نہیں۔

مخلص الکمل جے پوری

بزم شعر و ادب ناگ پور

۷ر جولائی بروز اتوار بزم شعر و ادب کے اہتمام میں بمقام مدرسہ فرقانیہ مومن پورہ ناگپور زیر صدارت حضرت ناطق گلاوٹھوی ایک ادبی نشست منعقد کی گئی۔ بزم شعر و ادب کے سکریٹری جناب فہیم الدین صاحب (بی۔ اے) نے بزم کے مقاصد سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ بعد ازاں حضرت طرفہ قریشی نے ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی کی شاعری پر ایک مقالہ پیش کیا جو بہت پسند کیا گیا۔ اس نشست میں حسب ذیل شعرائے کرام نے بھی اپنا کلام سنایا۔ عبد الجلیل ساز۔ میکش ناگپوری۔ سید نصیر الدین قادری۔ ندیم ناگپوری۔ عظیم ناگپوری۔ ظرف۔ آزاد ساہو۔

محمد جلیل، سکریٹری نشر و اشاعت

پھر دیکھئے
...
بھیجئے تاکہ پرچہ سلسلہ جاری رہے
(منیجر)

حیدر آباد سے جوشؔ کی علیحدگی

حیدر آباد سے جوشؔ کی علیحدگی یا اخراج کے بارے میں مختلف بیانات پڑھنے کے بعد میں نے ایک مراسلے کے ذریعہ یہ تجویز پیش کی تھی کہ اخراج کے اصل وجوہ دریافت کیے جائیں تاکہ صحیح واقعات منظرِ عام پر آجائیں۔ حیرتؔ بدایونی کی تشریح جواب کی پہلی کوشش ہے جو میرے مراسلے کے جواب میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن اسے پڑھ کر مجھے انتہائی مایوسی ہوئی۔ میں نے سارا مضمون دو تین دفعہ پڑھا لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس سے معاملہ صاف ہونے کے بجائے اور زیادہ الجھ گیا ہے۔

اس سلسلہ میں نیازؔ صاحب کچھ روشنی ڈال سکتے تھے لیکن چونکہ وہ اب تک خاموش رہے ہیں اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بحث و جدال کی اس دلدل میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ لیکن وہ کون سی نظم ہے جو جوشؔ نے ان کے اعتراضات کے جواب میں لکھی تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ ابھی تک شایع نہیں ہوئی۔ اسے شایع ہونا چاہیے تھا تاکہ کم از کم جوشؔ و نیازؔ کے تعلقات پر بھی روشنی پڑ سکے۔

حیرتؔ صاحب لکھتے ہیں کہ "جوشؔ نے روزانہ کنگ کوٹھی میں نظام سے جوشؔ کے خلاف لگائی بجھائی شروع کردی اور یہاں تک نظام کے کان بھرے کہ نظام کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔" وہ کیا لگائی بجھائی کرتے تھے، اس کی مطلق وضاحت نہیں کی گئی اور نہ یہ بتایا گیا ہے کہ حیرتؔ صاحب کو اس کا علم کیوں کر ہوا۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "جوشؔ صاحب کو تو کبھی اپنی زبان و قلم پر قابو نہیں رہا۔" اگر اس کے کچھ معنی ہیں تو یہ کہ "تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث۔" اس میں جوشؔ کا یا کسی اور کا کیا قصور؟

اس کے بعد وہ شہید یار جنگ کی گفتگو نقل کرتے ہیں اور جوشؔ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ "پرنس کو عیش و عشرت کی طرف مائل کررہے ہیں۔" اگر یہ الزام صحیح ہے تو یقیناً یہ بہت بڑا الزام ہے۔

آگے چل کر ایک نظم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ وہی نظم ہے جس کے متعلق میں نے اپنے مراسلے میں درخواست کی تھی کہ اسے من و عن شایع کردیا جائے مگر اس کا صرف ایک شعر دیا گیا ہے۔ پوری نظم درج کرنے کی ضرورت تھی تاکہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ وہ کہاں تک نظام کے خلاف تھی۔

یہ الزامات کہ جوشؔ "لامذہب، دہریے، انگریزوں کے دشمن ...... تھے" نئی چیز ہے اور اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ نظام کو جوشؔ کے الحاد سے کیا تکلیف پہنچ رہی تھی؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر کسی دوسرے کی لگائی بجھائی کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے؟

بہرحال حیرتؔ صاحب کا یہ لکھنا کہ "یہی نظم ان کے اخراج کی بنیاد بنی" حیرت انگیز ہے۔

سارا مضمون پڑھ جائیے، اس کے مطالعہ کے بعد ذیل کے امور واضح ہوتے ہیں:۔

(۱) جوشؔ کے اخراج کے واحد ذمہ دار نواب ہوش یار جنگ تھے۔

(۲) ہوشؔ نے نیازؔ کو لکھنؤ سے بلایا تاکہ جوشؔ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا جائے۔ اور

(۳) نظام نے جوشؔ کو اس لیے خارج البلد کیا کہ وہ لامذہب، دہریے ...... برٹش ریزیڈنسی کے معتوب تھے۔

(۴) جوشؔ کی نظم اخراج کا باعث تھی۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہوشؔ کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ہوشؔ کی جو تصویر دی گئی ہے وہ اس سے قطعاً مختلف ہے جو میرے کانوں نے سُن رکھی ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سید سجاد مرحوم دہلوی ہوشؔ کے بے حد مداح تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہوشؔ میں انتقامی جذبہ مطلق نہ تھا بلکہ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی محبت سے سلوک کرنے کے عادی تھے۔ زیرِ بحث مضمون میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ہوشؔ اور جوشؔ میں مابہ النزاع چیز کیا تھی جس کی وجہ سے ہوشؔ نے نظام سے چغلیاں کھائیں۔ اس سلسلہ میں میں حیرتؔ صاحب سے پوچھوں گا کہ ان کے اس فقرے کا کیا مطلب ہے: "تو پھر دو ڈھائی سال کی مسلسل کوششوں پر پانی پھر جائے گا اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جوشؔ کے خلاف محاذ دو ڈھائی سال سے قائم تھا۔

حیرتؔ کا مضمون پڑھنے کے بعد میرے خیال میں جوشؔ کے اخراج کا سبب اُن کے ان دو فقروں میں تلاش کرنا ہوگا: (۱) انھیں اپنی زبان و قلم پر قابو نہیں تھا۔ اور (۲) وہ پرنس کو عیش و عشرت کی طرف مائل کررہے تھے۔

ہر چند حیدر آباد سے جوشؔ کے اخراج کا معاملہ تاریخ کا کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، لیکن اس خیال سے کہ چونکہ یہ معاملہ اخبارات میں آگیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب و علل سے آخری مرتبہ بحث کرلی جائے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حیرتؔ صاحب کے مضمون سے زیرِ بحث موضوع پر کوئی مزید روشنی نہیں پڑتی۔

ضیاء الدین احمد برنی

مہاراجہ کشن پرشاد کا غیر مطبوعہ کلام

تحقیقی مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کا غیر مطبوعہ اردو کلام درکار ہے۔ اگر کسی کے پاس ہو تو براہِ کرم پتہ ذیل پر مطلع فرمائیں:۔

حبیب ضیا قادری ۲-۱۶-۳۰ عقب درگاہ اجالے شاہ صاحب حیدر آباد دکن (آندھرا)

حفیظ نمبر

اردو کا مشہور ماہنامہ "افکار" کراچی جوشؔ نمبر کے بعد ابوالاثر حفیظؔ جالندھری کی زندگی، شخصیت اور فن پر اگست ۶۳ء میں حفیظ نمبر پاک و ہند کے اہلِ قلم حضرات کے تعاون سے پیش کررہا ہے۔ حفیظ نمبر کی قیمت دس روپے ہوگی۔

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔

انجمن کی شاخ بمبئی کی سالانہ رپورٹ

۲۳ جون ۱۹۶۳ء کو صبح دس بجے انجمن کے دفتر واقع صابو صدیق پولی ٹکنک میں بمبئی کی شاخ انجمن کا جلسہ ہوا۔ جنرل سکریٹری نے یہ سالانہ رپورٹ سنائی:-

بمبئی میں انجمن ترقی اردو کی شاخ ۱۹۴۵ء سے قائم ہے۔ اس اٹھارہ سال کی طویل مدت میں انجمن نے اپنے ہر دور میں اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لیے کام کیے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں جب کہ بمبئی کی انجمن کے بیس سال پورے ہو جائیں گے، اس موقع پر اُس کا "بیس سالہ جشن" مناتے ہوئے اُن طویل خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہاں اجمالاً یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں "انجمن ترقی اردو ریسرچ فیلوشپ" کے قیام کے لیے گراں قدر امداد، حضرت جگر مرادآبادی مرحوم کی علالت کے دوران اُن کی خدمت میں دس ہزار روپے کی پیش کش، دہلی کی انجمن ترقی اردو کو "غالب ہاؤس" کی خریداری کے لیے پانچ ہزار روپیہ کی اعانت اور "ہندوستانی بک ٹرسٹ بمبئی" کے قیام میں اشتراک عمل انجمن کی نہایت ٹھوس اور نمایاں خدمات ہیں۔

۱۹۶۲ء اپنی سرگرمیوں کے اعتبار سے انجمن کی تاریخ میں سب سے زیادہ ہنگامی سال کہا جا سکتا ہے۔ عام طور پر مجلس منتظمہ کی ایک میٹنگ ہر ماہ ہوتی رہتی ہے لیکن ۱۹۶۲ء کے کسی کسی مہینہ میں تو مختلف امور کے سلسلے میں تین تین اور چار چار میٹنگز ہوئیں۔ اس گذرے ہوئے سال کی ابتدا میں "جہانِ جگر" کے نام سے ایک نیا آل انڈیا مشاعرہ منعقد کیا گیا، وہیں سال کے آخر میں شاندار پیمانہ پر "یوم ظفر" منایا گیا۔ بمبئی میں صرف انجمن کی شاخ نے مرکز کی اپیل پر بہادر شاہ ظفر کی کل ہند صد سالہ برسی کے اس پروگرام میں پہل کی۔ دوران سال میں انجمن نے ایک مقامی کل ہند مشاعرہ میں تشریف لائے ہوئے بیرونی شعرا کو عصرانہ پر مدعو کیا اور عصرانہ کے بعد ایک نہایت خوبصورت معیاری شعری نشست کا انتظام کیا۔ ۱۹۶۲ء ہی میں انجمن نے اردو کے مشہور شاعر قتیل شفائی کو مدعو کیا اور اُن سے ان کی شاعری اور زندگی پر سیر حاصل تقریر کرائی۔ انھوں نے اپنا منتخب کلام بھی سنایا۔ اسی طرح [illegible] پر جناب اختر الایمان کی اہم تقریر کا اہتمام کیا۔ یہ دونوں مخصوص جلسے کافی کامیاب رہے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن، شاہد صدیقی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی وفات پر دو بڑے تعزیتی جلسے بھی انجمن نے کیے۔ آخر میں "قومی یکجہتی" کے اس دو روزہ پروگرام کا ذکر ضروری ہے جو اپنی عظمت، نوعیت اور افادیت کے اعتبار سے پورے ہندوستان میں پہلا اجتماع تھا۔ جس میں پہلے دن ہندوستان کی آٹھ بڑی زبانوں کے مشاہیر شعرا نے "قومی یکجہتی" کے موضوع پر اپنی تازہ ترین نظمیں سنائیں۔ دوسرے دن دو ڈرامے پیش کیے گئے، جن میں سے ایک ڈرامہ بطور خاص انجمن نے اردو کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر سے لکھوایا تھا اور جسے خواجہ احمد عباس نے ڈائرکٹ کیا تھا۔ انجمن کی طرف سے لکھوایا ہوا یہ ڈرامہ ملک کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ریڈیو کے علاوہ جگہ جگہ کھیلا بھی گیا ہے۔ یہ تھا اردو زبان کی طرف سے وہ اقدام جس سے مرکزی اور ریاستی حکومتیں بھی متاثر ہوئیں اور عام طور پر اُسے سراہا گیا۔ اس لیے کہ زبانوں کے ذریعہ قومی یکجہتی کے مقصد کو آگے بڑھانے کی یہ ایک اچھی کوشش تھی۔

۱۹۶۳ء ہی میں انجمن نے اپنے دائرہ عمل کو مزید وسعتیں دینے کے لیے نہایت اہم منصوبے بنائے۔ ایک بڑی اردو لائبریری اور اردو ہال کی تعمیر کے سلسلہ میں بمبئی میونسپل کارپوریشن سے ایک زمین حاصل کرنے کی امکانی کوشش کی لیکن افسوس کہ وہ زمین اسے نہ مل سکی۔ انجمن نے بمبئی میں جامعہ اردو کے امتحانات سے اردو کے طلبا اور دوسرے باذوق لوگوں کو بیش از بیش فائدہ پہنچانے کی خاطر انھیں اپنی نگرانی میں لینے کا فیصلہ کیا۔ "مولوی عبدالحق میموریل لیکچرز" کے نام سے اعلیٰ پیمانہ پر توسیعی لیکچروں کے انعقاد کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ اس سلسلہ کا پہلا لیکچر مستقبل قریب میں ہوگا۔ اس کے علاوہ انجمن کی طرف سے ایک ماہانہ "خبرنامہ" شائع کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ یہ خبرنامہ انجمن اور اردو عوام سے رابطے کا ایک موثر ذریعہ ہوگا۔ اس سے نہ صرف بمبئی بلکہ ریاست مہاراشٹر اور پورے ہندوستان کی اہم علمی، ادبی، لسانی اور تہذیبی تحریکوں کا حال معلوم ہوگا۔ اراکین انجمن نے انتظامی امور کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے مسلسل غور و خوض کیا۔ پرانے دستور العمل میں اہم تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کی۔ سال گذشتہ جلد جلد ہونے والی مجلس منتظمہ کی میٹنگز میں اراکین کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ رہی۔ یہ کہتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ اس وقت انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی زندگی اور عمل سے بھرپور ہے۔ اس کے پیش نظر چھوٹے بڑے اور بھی متعدد کام ہیں۔ انجمن اپنے نصب العین پر سختی سے کاربند ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گی۔

اس سے قبل کہ انجمن کے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا جائے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بمبئی کی شاخ کو نہ تو مرکزی حکومت اور نہ ریاستی حکومت سے کسی قسم کی مالی امداد ملتی ہے جیسا کہ بعض حلقوں میں غلط فہمی کی بنا پر خیال کیا جاتا ہے۔ اب تک انجمن کی آمدنی کا انحصار مشاعروں کے ٹکٹوں کی فروخت، "سوونیر" اور محدود تعداد میں ملنے والے عطیات پر رہا ہے۔ بمبئی کی انجمن ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے جس کے آمد و خرچ میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے۔ حسابات باقاعدہ آڈٹ کرائے جاتے ہیں جو چیریٹی کمشنر کے یہاں بھیجے جاتے ہیں۔ انجمن کے منظور شدہ دستور العمل پر سختی سے عمل پیرا ہوا جاتا ہے۔ انجمن اپنے دستور کی رو سے قطعی ایک غیر سیاسی اور غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہے۔ اس کی رکنیت کے لیے صرف اردو دوست ہونے کی شرط ہے۔

اراکین مجلس عاملہ بمبئی کے تمام اخبارات کے معزز ایڈیٹروں کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے انجمن کے نشر و اشاعت کے کاموں کے لیے اپنے اخبارات کے قیمتی کالم وقف فرمائے۔ انجمن ان تمام ادبا، شعرا اور اردو دوستوں کے بر وقت اشتراک و تعاون کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے۔

انجمن ترقی اردو کو اس عظیم [illegible] روایات کے مطابق عروج و ترقی کی منزلوں کی طرف اردو دوستوں کا بھرپور تعاون ہی پہنچا سکتا ہے۔ [illegible] دونوں کا ارادہ ہے۔ اس کے [illegible] لکھے ہوئے ہیں۔ انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کی مجلس عاملہ میسرز این۔ اے۔ [illegible] چارٹرڈ آڈیٹرز کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے سال ۱۹۶۱-۶۲ء کے حسابات آڈٹ کیے۔

اعجاز صدیقی جنرل سکریٹری

جوش کی علیحدگی کے حقیقی اسباب

برادرم آل احمد

۲۲ جون کے پرچے میں "جوش کی علیحدگی کے حقیقی اسباب" پڑھ کر دکھ ہوا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ کا ادبی مقام اور آپ کی طبیعت غیر ادبی الجھنوں میں پڑنے سے ابا کرتی ہے۔ جوش [illegible] کا اس میں [illegible] ان کے مرنے کے بعد اگر ان کے متعلق ہماری زبان کے پڑھنے والوں میں جو ایک مخصوص طبقے کے لوگ ہیں، افسردہ کن غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو میں اس غلط فہمی کے [illegible] کی آپ کو زحمت دوں گا۔ مولانا عبداللہ عمادی مرحوم دینی مذہبی تعلیم کے تکمیل کرنے کے بعد چند سال رہے۔ ان کا [illegible] عربی رسالہ [illegible] مذہب میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مولوی مسعود علی محوی مرحوم ہمارے کالج کے پرانے گریجویٹ اور مسٹر بیگ کی نگاہوں پر چڑھے ہوئے بزرگ تھے۔ ۱۹۰۱ء سے حیدرآباد میں برسرِ خدمت رہ کر صدر عدالت دیوانی و فوجداری کی نظامت سے وظیفہ پر علیحدہ ہونے کے بعد انھیں دارالترجمہ دکالیت میں بحیثیت رکن [illegible] لیا گیا تھا۔ ہم سے [illegible] ایک محفل [illegible] تک ان کے سامنے مذاق نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں [illegible] متین تھے۔ جوش اگر "چاندنی جان" یا "مالن" جیسی نظمیں ان کو سنانے کی ہمت بھی کرتے تو یہ بزرگ اٹھ کر چلے جاتے۔ جوش کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ ان کی علیحدگی کا معاملہ کم و بیش پچیس سال پہلے کا ہے۔ ان کے دادا نواب احمد خاں [illegible] تھے۔ جوش کے والد بشیر تخلص کرتے تھے۔ شبیر حسن نے [illegible] میں آنکھ کھولی۔ کچھ دن علی گڑھ اسکول میں پڑھے مگر پڑھ نہ سکے، جوش بن گئے۔ مگر افسوس ہے کہ جوانی کے جوش کے جلو میں پریشانی وارد ہوا۔ جب وہ حیدرآباد آئے تو ان کی شاعری کافی ترقی کر چکی تھی۔ گو دارالترجمہ دکالیت میں وہ مولوی عنایت اللہ، قاضی محمد حسین، مرزا ہادی رسوا کی طرح تجربہ و قابلیت کا ڈنکا بجاتے ہوئے نہیں آئے۔ علمی گروہ میں ان کے تقرر پر [illegible] ہوئیں۔ [illegible] کے تینوں شاعر جوش، یگانہ اور فانی کچھ ہی فصل سے یہاں آئے۔ فانی جو بی اے ایل ایل بی تھے اس پر ان کو منصفی پیش کی گئی مگر انھوں نے اسکول ماسٹری کو ترجیح دی [illegible] جوش [illegible] کی زینت بنے۔ اس وقت یہاں [illegible] کے شعرا میں استاد جلیل فصاحت جنگ، مولانا طباطبائی، حیدر یار جنگ، [illegible] واسع [illegible]، کاظم علی باغ، ضامن کنتوری، عزیز یار جنگ، نادر [illegible]، غلام مصطفیٰ رسا اور محمود [illegible] جوش پر شاد تھے۔ عظمت اللہ خاں مرحوم اسسٹنٹ ناظم تعلیمات اردو نظم کو ایک نئے سانچے میں ڈھال رہے تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو جوش کے خلاف صف آرائی کرتا۔ بعض ان میں سے جوش کا دل [illegible] تھے۔ جوش کا صرف تخلص رہ گیا تھا [illegible] کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ [illegible] نوجوان شاعر [illegible] کرتے تھے [illegible] مجروح [illegible] شہرت کے شاعر ہیں۔ جب وہ [illegible] زمانے میں ہوم سکریٹری [illegible] کے محکمے میں متعین تھے وہ اسسٹنٹ ہوم سکریٹری تھا۔ ان کا محبوب مشغلہ ان کا انتخاب [illegible]

لگانا اور شعر کہنا تھا۔ اکثر مجھ سے جوش کے لاابالی پن کا شکوہ کرتے تھے اور اس کے اس شعر:

جانے فقر ہو چکا ہے رنگ رنگ　　[illegible] میں جہاں تک [illegible]

پر بہت بگڑتے تھے۔ اور اس کے کچھ دن بعد انھوں نے مجھے اپنی ایک نظم جو جوش کی ہجو اور ان پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھی تھی سنائی تھی جس کے ہر شعر [illegible] آخری جملے سے جوش بچ گئے [illegible] کر دیا تھا۔ انھوں نے جوش اور جوش کی [illegible] غلط ہے۔ رشک و حسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب [illegible] یا کسی کو دوست سے آگے نکل جانے کا خوف ہو۔ جوش کی سرشت میں تھا کہ ماحول اور سوسائٹی ان کی مرضی و خواہشات کے مطابق ہو۔ [illegible] ماحول اور سوسائٹی کے مطابق اپنے کو بنانا تھا۔ اس کو سید علی مرحوم کے گھر میں رہ کر اچھے کھانے، اچھا پہننے اور [illegible] کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ طبیعت ظرافت و مذاق سے زیادہ دل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں تحقیر کی جھلک نہیں ہوتی۔ وہ محفل میں قہقہے نہیں لگواتی ہوں پر مسکراہٹ پیدا کر دیتی ہے۔ جب فارغ البال ہو کر سید علی صاحب مرحوم گئے تو مہاراجہ [illegible] نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر مہاراجہ بہادر کے یہاں پہنچا دیا۔ جب ان کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا تو مہاراجہ بہادر نے انھیں مرحوم نواب صاحب رام پور کے دربار میں پہنچا دیا۔ پھر حیدرآباد میں آ کر [illegible] تعمیرات تک پہنچے اور دوسری طرف سلطنت آصفیہ کے آخری تاجدار کے دربار میں وہ مرتبہ حاصل کر لیا جو [illegible] کا [illegible] کے دربار میں تھا [illegible] سیاسی سازشوں سے دور جوش دربار کا [illegible] سمجھا جاتا تھا۔

[illegible] سے پیشتر [illegible] بہت سے شاعروں اور ادیبوں پر ہوا، ایک جوش ہی پر نہیں۔ پھر بھی جوش [illegible] اس کے بعد ساتھ اٹھتے بیٹھتے حیدرآباد میں دیکھے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جوش دل پھینک اور زیادہ [illegible] تھے۔ جوش حسن سے متاثر ہو [illegible] نظر رکھے۔ جوش بھی آبائی ثروت و امارت سے محروم ہو چکے تھے اور جوش اپر مڈل کلاس سوسائٹی میں گھل مل گیا تھا۔ جوش پھر بھی پٹھان تھا اور [illegible] اس نے کسی کی خوشامد نہیں کی۔ [illegible] کی طرف بڑھتی گئی۔ [illegible] پرنس تک جوش کی رسائی نہ [illegible] منت ہے نہ شہید یار جنگ کی۔ [illegible] کی شاعری ان کو [illegible] اور ایک [illegible] مغرب [illegible] وہاں پہنچے رہے اور [illegible] ان کی قدر کرتے رہے۔ جوش کو زبان پر قابو تھا نہ خود [illegible] وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ کس کی صحبت میں کیسے [illegible] بچنا چاہیے [illegible] محروم ہونے کا سامان انھوں نے خود پیدا کیا۔ البتہ شہید یار جنگ فانی [illegible] سے زیادہ [illegible] کے قدردان تھے۔ شہید یار جنگ اور جوش کی گفتگو [illegible] کبھی [illegible] جوش [illegible] شہید تھے [illegible] انھوں نے [illegible] کی بنا پر ایک مرثیہ [illegible] کے بعد [illegible] ایگزیکٹو کونسل میں ان کو [illegible] وقت سلوک کیا تھا۔ [illegible]

پرنس کے ساتھ کھاتے تھے مگر کوئی دعوت ان کے HONOUR میں نہیں ہوئی۔

فانی میرے دوست تھے وہ پریکٹس سے بد دل ہو کر یہاں آئے۔ انھیں وطن چھوڑنے کا کوئی غم بھی تھا اس لیے کہ یہاں آنے سے پہلے وہ وطن چھوڑ کر اٹاوے میں وکالت کر رہے تھے اور نہ انھیں وظیفے کے بعد بھی بدایوں کا خیال آیا۔ یہ شعر انھوں نے اس وقت کہا تھا جب ان کی مرضی کے خلاف حیدرآباد سے نانڈیڑ کو تبادلہ ہوا کہ "غربت ہم کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا"۔ اور وہ پھر حیدرآباد کے ایک اسکول میں متعین کر دیے گئے۔

یہ باور کرنا کہ حضور نظام ہر صاحب سے جوش کی شکایت کرتے تھے قطعی محال ہے اور ایسے فعل کو ان کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ ان کی توہین نہیں ہو سکتی اور نہ یہ ہوا۔ جوش نے بیٹھے بٹھائے اپنے پاؤں پر کلہاڑی آپ ماری۔ سنہ ۱۹۰۹ء کا ایک واقعہ یاد آگیا ممکن ہے کہ آپ نے بھی یہ نظم سنی ہو۔ پٹیالہ کچھ دل نہیں مانتا۔ ظفر علی خاں نے ایک نظم "واکر گردی" لکھی:

نہ بنگالی سے گھبرا صندوق ہی کی پروا کر — گر مسجد میں جھٹ گرنہ نظر آجائے گر واکر
کمان کے خانخاناں اور کمان کی شکر آرائی — سنقیں اُٹھے رہتا بھی نکل جائے اگر واکر
دبک جاتے ہیں مسٹر حیدری مانند گیدڑ کے — گرجتا اور بھپرتا جب ہے مثل شیر نر واکر
تعلق صدر اعظم کا قطع وا کرے ہے اتنا — دعائیں سرکشن پرشاد انعام الہی کا ذرا واکر
پڑی پھرتی ہے ننگے سر نظام الملک کی دولت — الٹ انگلو انڈین کے ہاتھ سے جاوداں ہو کر

ایسے ہی کوئی بیس پچیس شعر تھے۔ نظم مقبول تو بہت ہوئی اور امرا و حکام کے دربار سے لے کر سینہ بہ سینہ خانوں تک مزے لے کر پڑھے اور سنے گئے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ سر کشن پرشاد فنانس پر ڈٹے رہے اور ظفر علی خاں بیچارے باغ عامہ کی دیوار کے سہارے سہارے لاہور کو سدھارے۔"

یہی حال جوش کا ہوا۔ اس بیچارے کی نظم تو مقبول بھی نہیں ہوئی لیکن تک اس نظم کے پہنچانے میں جوش کا ہاتھ کیا، اس کی خبر تک نہ تھی۔ نائب کوتوال سلطان یار جنگ کو حکم ہوا تھا کہ سالگرہ کی تقریب میں جو نظمیں لکھی جائیں یا اخبار میں چھپیں وہ ان کو پیش کریں چنانچہ یہ نظم بھی پیش ہوئی۔ پہلے تو سرکار کو یہ ناگوار گزرا کہ خسرو دکن سے مخاطبت میں "کر" کیا معنی۔ پھر مقطع

کبھی جوش کی نظم کی مدح کر — کبھی دلبروں کی ثنا خوانیاں کر

پھر تو پارہ اتنا چڑھا کہ مصاحبین لرز گئے اور حکم صادر ہو گیا کہ اس کو خارج البلد کر دیا جائے۔ جوش نے باضابطہ معذرت چاہی اور ندامت کا اظہار بھی کیا تھا۔ نواب سالار جنگ سے جوش کی ملاقات ایسی نہ تھی کہ وہ ان کی سفارش پر اگر ان سے کہا بھی جاتا تو وہ آمادہ بھی ہو جاتے کیوں کہ وہ خود بہت کم رو طبیعت تھے۔ "کر" کی ردیف خود اس قدر رکیک ہے کہ کوئی اسے اپنے سے بڑے کی مخاطبت میں استعمال نہ کرے گا۔ "کن" فارسی میں رکیک نہیں ہے مگر اردو میں "کر" کے رکیک ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔

معاف کرنا خط طویل ہو گیا۔ اس کو شائع کریں یا آپ نہ کریں یا کاٹ چھانٹ کریں یہ سب آپ کی مرضی پر ہے۔ مجھے خود ان گڑے مردوں کو اکھیڑنے میں تکلیف و درد ہو رہا ہے۔ فقط والسلام

دعا گو غلام پنجتن

سیٹھ گووند داس کی اردو سے دلچسپی

ہندی کے زبردست حامی سیٹھ گووند داس ممبر پارلیمنٹ ان دنوں اردو سیکھ رہے ہیں حضرت ہمیں معلوم ہوا ہے سیٹھ جی نے شہر کے ایک ممتاز اردو شاعر جناب ہلال الدین نظامی کو اپنا

سہ لسانی فارمولا اور ریاستی تعلیمی کونسل

(صفحہ ۲ کالم ۲ سے آگے)

سے مستقبل میں اردو کے مدرس مشکل سے دستیاب ہو سکیں گے اس لیے مجلس عاملہ ضروری سمجھتی ہے کہ اردو کے لیے معلمین کی ٹریننگ کا جلد از جلد انتظام کیا جائے ورنہ سہ لسانی فارمولا میں اردو کو شامل رکھنے کے کوئی معنی نہ رہ جائیں گے۔

مجلس عاملہ یہ بھی تجویز کرتی ہے کہ اس کی تمام شاخیں اس موقع کو اردو کی حیات و بقا کا فیصلہ کن مرحلہ خیال کریں اور زیادہ سے زیادہ جونیر ہائی سکنڈری اسکولوں اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں درجہ ۶ میں اردو کو انگریزی اور ہندی کے علاوہ تیسری زبان کی حیثیت سے لینے کے لیے بچوں کے ان سرپرستوں سے جو اس کے لیے آمادہ ہوں درخواستیں دلوائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد ایسے بچوں کی ہر اسکول پر اکٹھا کرنے کی کوشش کریں جو اردو کا مطالبہ کریں اور اس کام کو سر دست جملہ کاموں پر اہمیت دیں۔ ضلع کی انجمنوں کو یہ بھی چاہیے کہ اس سلسلہ میں دفتر ریاستی تعلیمی کونسل کو اپنی جملہ کارگزاریوں اور دقتوں سے مسلسل آگاہ کرتی رہیں اور اگر کسی ضلع میں کوئی باضابطہ انجمن یا ادارہ اس کام کو کر رہا ہو تو اس کے اشتراک و تعاون سے کام کرنے کی کوشش کریں۔

اردو کے لیے ناگری رسم الخط

انجمن تحفظ اردو حیدرآباد (آندھرا) کے صدر مسٹر ایم ہاگا ریڈی نے ملک کے مختلف گوشوں سے پیش ہونے والی اس تجویز پر کہ اردو کے لیے ناگری رسم الخط اختیار کر لیا جائے سخت اور زبردست تنقید کی ہے اور فرمایا ہے کہ دستور ہند میں مختلف قومی زبانوں کے موقف متعین ہو جانے کے بعد اس مسئلہ پر بحث چھیڑنا بالکل نامناسب ہے۔ مختلف زبانوں کے تحفظ و ارتقا کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ انھیں اپنے مزاج اور تہذیبی روایات اور قدرتی و تاریخی عمل کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ علاوہ ازیں دیوناگری رسم الخط ابھی تک اتنا غیر مکمل ہے کہ اردو زبان کا مکمل طور پر بوجھ برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

جس رسم الخط میں زبان لکھی جائے اس رسم خط کی آوازوں کے تلفظ و لہجہ کا اثر زبان پر بھی پڑے گا۔ ۱۵-۱۶ برس کی مسلسل کوشش کے بعد بھی ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے کارآمد بنانے کی سعی کرنے والے ماہرین لسانیات یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہندی میں تمام سائنسی اصطلاحات انگریزی تلفظ و رسم خط میں برقرار رکھی جائیں اسی طرح دیوناگری رسم خط اردو الفاظ اور آوازوں کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا اور اس کے الفاظ دیوناگری رسم خط میں اگر اپنی خوبصورتی و معنی و مفہوم کو برقرار نہیں رکھ سکتے

آچاریہ کرپلانی کی اردو دوستی

مرادآباد کے اردو نواز حلقوں میں اس واقعہ پر اظہار حیرت کیا جا رہا ہے کہ یہاں ایک جلسہ میں آچاریہ جی کو ایک خوبصورت چوکھٹے میں جو اردو کا سپاسنامہ پیش کیا گیا وہ انھوں نے اسی وقت نیلام کرا کر اپنے سے جدا کر دیا اور کچھ گھنٹوں بعد ایک دوسرے جلسہ میں ناگرک سبھا کی طرف سے پیش کیے گئے ایک ہندی سپاسنامہ کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

(روزنامہ خلافت)

انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس

جے پور۔ ۲۳؍جون۔ جیسا کہ اخبار "ہماری زبان" تاریخی ۱۵؍جون میں شائع ہوا ہے۔ آج ۷ بجے صبح مسلم مسافر خانہ جے پور میں انجمن ترقی اردو راجستھان کا سالانہ اجلاس زیر صدارت الحاج خان بہادر الطاف محمد صاحب خیری منعقد ہو کر ۹ بجے صبح ختم ہوا۔ شرکا میں ارکان انجمن سرپرستان انجمن۔ معاونین اور ہمدردان انجمن کے علاوہ ایک کثیر تعداد جے پور کے اردو دوستوں کی بھی شامل تھی۔ اور حسب ذیل مقامات راجستھان کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

(۱) ٹونک (۲) کوٹہ (۳) سیکر (۴) جودھ پور (۵) کرانہ (۶) باسنی (۷) مال پورہ (۸) چھبڑہ (۹) معظم آباد۔

انجمن کی گذشتہ میٹنگ تاریخی ۱۳؍جنوری ۱۹۶۳ء کی روداد کی توثیق صدر صاحب کے دستخطوں سے عمل میں آئی۔

جنرل سکریٹری صاحب نے سالانہ رپورٹ پیش کی جس کو حاضرین نے پوری توجہ اور دلچسپی سے سنا۔

جنرل سکریٹری صاحب کی رپورٹ کے بعد خازن صاحب نے انجمن کے گذشتہ سال کے حسابات پیش کیے جو منظور کیے گئے اس کے بعد صدر صاحب نے اپنا خطبہ ارشاد فرمایا۔

سامعین خطبہ سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنی مسرت و پسندیدگی کا اظہار کیا۔

خطبہ کے بعد متعدد امور پر بحث و مباحثہ ہوا اور کئی قرارداد منظور کی گئیں۔ جن میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

تجویز نمبر (۱) یکم جولائی ۱۹۶۲ء سے شروع ہونے والے تعلیمی سیشن میں گورنمنٹ راجستھان کے احکام کی تعمیل کا جائزہ لے کر ۱۵؍جولائی ۱۹۶۳ء تک رپورٹ کرنے کے لیے حسب ذیل اصحاب کی ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی۔

(۱) مولوی حافظ محمد ایوب خاں صاحب قمر واحدی۔ پرنسپل اردو کالج جے پور۔ کنوینر۔

(۲) پروفیسر سید محمد علی صاحب زیدی

(۳) حکیم محمد سلیم الدین خان صاحب

(۴) حاجی عبدالرزاق عرف اچھا میاں صاحب

(۵) حاجی نور محمد صاحب مالک لا ریز

اسی طرح ٹونک۔ مال پورہ۔ جودھ پور۔ ناگور۔ کرانہ۔ ڈنڈوانہ۔ کچھی پورہ۔ بڑی کھاٹو۔ لوہاواٹ۔ پربت سر۔ کچامن روڈ۔ کچامن سٹی۔ باسنی۔ کماری۔ ڈرجیل۔ چھبڑہ۔ باران۔ جودھ پور۔ سیکر۔ کوٹہ۔ معظم آباد کے لیے بھی ایک ایک دو دو صاحبان کو تجویز کیا گیا جو اجلاس میں شریک تھے۔

تجویز نمبر (۵) کل ہند اردو کانفرنس کے جے پور میں منعقد کیے جانے کی بابت مرکزی انجمن سے استمزاج کیا جائے اور اس بابت حسب صوابدید مرکزی انجمن آخری فیصلہ پر پہنچا جائے۔

تجویز نمبر (۶) مقامی شاخوں کو فعال بنانے اور ان کی تنظیم کے متعلق ایک مکمل اسکیم تیار کی جائے اور اپنے نمائندگان کے ذریعہ ان کا معائنہ کرایا جائے۔ اس بابت صدر صاحب کی ہدایت کے مطابق جنرل سکریٹری صاحب عمل کریں۔

تجویز نمبر (۸) مدحین کے متعلق جن شعرائے راجستھان نے اپنی منظومات انجمن ہذا بھیجی ہیں ان کا انتخاب حسب ذیل اصحاب فرمادیں تاکہ طباعت کا مرحلہ طے کیا جائے۔

(۱) سید احمد علی شاہ صاحب قمر جعفری (۲) پنڈت اوما رزاین صاحب بہادر (۳) مولوی محمد ایوب خان صاحب قمر۔

تجویز نمبر (۱۰) مرکزی انجمن نے حال ہی میں شاخوں کے متعلق قواعد مرتب کیے ہیں وہ طلب کیے جا کر ان کی روشنی میں جدید ممبر سازی اور انجمن ہذا کے لیے مجلس عام و مجلس عاملہ بنائے جانے کا فیصلہ صدر صاحب فرمائیں جس کا نفاذ کیا جائے۔

تجویز نمبر (۱۱) انجمن ہذا کے زیر اہتمام ایک بک ڈپو جے پور میں قائم کیا جائے۔ اس کی مکمل اسکیم جنرل سکریٹری صاحب تیار کریں اور حسب ہدایت جناب بہادر صاحب نائب صدر اس کو عملی جامہ پہنائیں۔

کلیم الدین تجلی عثمانی
اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان (جے پور)

اردو کالج

اردو کالج حیدر آباد (اے۔ پی) کا یہ بیان قوت منظر ہے کہ اردو کالج کے نتائج اس سال شاندار رہے۔

انٹرنس۔ میں (۲۳) شریک (۱۵) کامیاب۔

ڈپ او۔ ال۔ میں (۲۶) شریک (۲۲) کامیاب۔

بی۔ او۔ ال۔ میں (۱۲) شریک (۹) کامیاب۔

اس طرح اردو کالج نے جو عثمانیہ یونیورسٹی کا مسلمہ ہے (۷۵) فی صدی نتائج پیش کیے۔

قبل ازیں اردو آرٹس کالج کا پی۔ یو۔ سی کا نتیجہ بھی (۹۳) فی صدی رہا۔ ان دونوں نتیجوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا کتنا سودمند ہے۔

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے چلائے جانے والے دونوں کالجوں نے اس سال شاندار نتائج پیش کیے ہیں جس میں مولوی حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو، جناب حسین شاہد صاحب پرنسپل اردو آرٹس کالج۔ جناب سید محمد صاحب پرنسپل اردو کالج کی ان تھک محنت کو بڑا دخل ہے۔

ریاست میسور میں اُردو

گزشتہ ہفتہ کے اخبارات کے ذریعہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ریاست میسور میں آئندہ جتنے بھی ہائی اسکول قائم ہوں گے ان میں ذریعہ تعلیم صرف کنڑی زبان ہی ہو کر رہے گی اور اس حیثیت سے انگریزی یا کوئی دوسری زبان کا استعمال ممنوع ہو کر رہے گا۔ ریاست کے عوام کی زبان کنڑی اور لوگوں کی اکثریت علاقائی زبانوں کی ترویج و اشاعت کی طرف واقع ہونے کی وجہ سے ہماری ریاست کے لیے یہ حق بجانب ہوگا کہ کنڑی کو فروغ دینے میں ہر امکانی کوشش کی جائے اور اس کی ترقی کے متعلق نئی راہیں تلاش کی جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عظیم تر میسور بننے کے بعد ہماری زبان کثیر اللسان ریاست میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس میں اردو، تامل، تلگو وغیرہ کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد میں ایک معتدبہ اضافہ واقع ہو چکا ہے اور یہ کہ ملک کے آئین میں انھیں قومی زبانوں کا درجہ عطا کیا ہے اور اپنی طرف سے ان کی ترقی کی ضمانت پیش کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجوزہ تحریک اپنے میں ایک لسانی شدت کا پتہ دیتی ہے۔ آج سے تقریباً دو سال پہلے مہاراشٹرا کی ریاست نے اپنی ریاست میں بھی اس قسم کی تحریک پر عمل کرنے اور انگریزی کو اپنی موجودہ پوزیشن سے ہٹانے کا ارادہ کیا تھا لیکن بمبئی ہائی کورٹ کے فیصلے نے اس خصوص میں حکومت کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنے اور ضروری ترمیم کرنے پر مجبور کیا اس لیے ہمارے ارباب حل و عقد کو بھی اپنی اس کارروائی پر عمل ہونے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالنی ضروری ہے۔ بہرکیف جہاں تک اس تجویز سے اردو زبان کا تعلق ہے ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اردو ہندوستان کی ایک عام اور مقبول زبان ہے۔ اس کی ابتدا اور نشو و نما ملک کی رواداری اور اخلاص کی خوشگوار فضا میں عمل میں آئی اور یہ زبان ہندوستان کے مشترکہ ثقافتی ارتقا کی مظہر ہے اور یہ ملک کے لیے اس کے عوام کا سب سے گراں قدر ہدیۂ محبت ثابت ہوئی ہے۔ ان سارے امور کی روشنی میں مرکزی ہوم منسٹر نے اپنے سنہ ۱۹۶۲ء والے اعلانیہ میں یہ واضح کیا ہے کہ اردو اپنی لسانی حیثیت سے ایک ممتاز مقام ہی نہیں بلکہ اپنی جمالیاتی حیثیت سے ایک بلند مقام رکھتی ہے اور اس لیے ہر ہندوستانی کو چاہیے کہ اس کی ترقی میں ہر طرح کی کوشش کرے۔ اس لیے اردو کے حامیوں کو کیا یہ ضروری نہیں کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے خدمت اور عقیدت سے بالا ہو کر شیل کاز کے مد نظر حکومت وقت سے اردو کا صحیح مقام حاصل کرنے کے لیے پر زور احتجاج کریں۔ اردو ہماری زندگی کا ایک سہارا ہے اس کی ترقی کے سلسلہ میں تغافل برتنا خود فراموشی کے مترادف ہوگا۔ فقط۔

محمود شریف

چیرمین میسور اسٹیٹ بورڈ آف وقفس بنگلور

سابق منسٹر حکومت میسور

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

شاد (انتخاب کلام شاد عارفی)

مرتب۔ عابد رضا بیدار

ناشر۔ نیا خواب۔ پرانی تحصیل۔ رام پور۔

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲

قیمت۔ ۵۰ نئے پیسے۔

فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (اردو، فارسی، عربی)

مرتب۔ محمد اکبر الدین صدیقی

جلد۔ سوم

ناشر۔ ادارہ ادبیات اردو، خیریت آباد، حیدرآباد، دکن

سائز۔ ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۷۶

قیمت۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے

راز (انتخاب کلام راز یزدانی)

مرتب۔ عابد رضا بیدار

ناشر۔ نیا خواب۔ پرانی تحصیل، رام پور

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۲

قیمت۔ ۵۰ نئے پیسے

تین کتابیں (کلام)

مصنفین۔ محبوب خزاں۔ محب عارفی، قمر جمیل

ناشر۔ مکتبہ آسی، ۱۴۳۵ جوہر آباد۔ فیڈرل بی ایریا اسکیم کراچی ۱۹ (پاکستان)

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۷۲

قیمت۔ دو روپے پچاس نئے پیسے

قائم (انتخاب کلام قائم چاند پوری)

مرتب۔ عابد رضا بیدار

ناشر۔ نیا خواب۔ پرانی تحصیل۔ رام پور

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۵۶

قیمت۔ ایک روپیہ۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر شمیم الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا